مرزا غالب اور مدرسۂ عالیہ کلکتہ

پروفیسر ابومحفوظ الکریم معصومی مدرسۂ عالیہ، کلکتہ۔

مرزا غالب کی سوانح زندگی میں مشاعرۂ کلکتہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فروری ۱۸۲۸ء میں مرزا واردِ کلکتہ ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۳۱ سال کے لگ بھگ ہوگی۔ بہرحال کم وبیش دو سال مرزا کلکتہ میں مقیم رہے اور نومبر ۱۸۲۹ء کے آخر تک دلی واپس پہنچے۔

قیامِ کلکتہ کے دوران بہ ظاہر کئی ایک مشاعروں میں مرزا کی شرکت سے جان پڑگئی ہوگی لیکن ان میں سے صرف ایک مشاعرہ کا انھوں نے بار بار ذکر کیا ہے۔ اور ان اعتراضات کی تفصیل جستہ جستہ سنائی ہے۔ جو سرِ بزم ان کے بعض اشعار پر کئے گئے تھے۔ مشاعرہ کی یہ مجلس جس ادارہ میں منعقد ہوئی تھی اس کے متعلق اصحابِ قلم کا ایک طبقہ خاموش نظر آتا ہے اور ایک طبقہ جو "غالب شناسی" کے ممتاز ارکین پر مشتمل ہے۔ بہ صراحت لکھتا ہے کہ مدرسۂ عالیہ کلکتہ جو ۸۱-۱۷۸۰ء میں قائم ہوا اور ۱۸۲۷ء تک اپنی موجودہ عمارت واقع ویلزلی اسکوائر (موجودہ حاجی محمد محسن اسکوائر) میں منتقل ہوچکا تھا، مدرسہ کی اسی عمارت میں مشاعرہ منعقد ہوا اور وہ ہنگامہ برپا ہوا جس نے غالب کی سرگذشتِ حیات میں ایک مستقل باب کا اضافہ کیا۔

اس ہنگامہ خیز مشاعرہ کی مفصل روداد کسی قدیم ماخذ میں یکجا نہیں ملتی۔ خود مرزا غالب نے اس کا ذکر متفرق طور پر کیا ہے۔ مرزا کے ہم معاصر وزیر علی عبرتی عظیم آبادی نے فارسی شعرا اور نثر نگاروں پر الگ الگ دو تذکرے مرتب کئے تھے، معراج الخیال اور ریاض الافکار۔ عبرتی نے دونوں تذکروں میں مرزا غالب کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا ہے اور مشاعرہ

میں ہنگامہ برپا کرنیوالوں کی مذمت کی ہے۔ لیکن جگہ کے تعین کا مسئلہ ان تذکروں سے بھی حل نہیں ہوتا۔

میرا خیال یہ ہے کہ خود مرزا کے بیان کا از سر نو جائزہ لینا چاہیے۔ اور ان کے بیان میں جو اشارات ملتے ہیں ان پر اور کچھ ایک دوسرے خارجی دلائل و قرآئن پر اچھی طرح غور کر لینے کے بعد مشاعرہ کی جگہ کا تعین کرنا چاہیئے۔ یہ مضمون خاص اسی مقصد سے سپرد قلم کیا گیا ہے:

(الف) مرزا غالب کا ایک فارسی مکتوب اس مشاعرہ کے سلسلہ میں بنیادی معلومات فراہم کرتا ہے۔ مکتوب الیہ مولوی محمد علی خاں صدر امین باندہ ہیں۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے:

"از نوادر حالات ایں کہ سخن وران و نکتہ رسان ایں بقعہ، پس از ورود خاکسار بزم سخنے آراستہ بودند۔ در ہر ماہ شمسی انگریزی، روز یکشنبہ نخستین، سخن گویان در مدرسہ سرکار کمپنی فراہم شدندے، و غزلہائے ہندی و فارسی خواندندے۔ ناگاہ گراں مایہ مردے کہ از ہرات بہ سفارت رسیدہ است، درآں انجمن می رسد و اشعار مرا شنودہ، بہ بانگ بلندی ستاید و بر کلام نادرہ گویان ایں قلمرو، تبسم ہائے زیر لبی می فرماید۔ چوں طبائع بالذات مفتون خود نمائی است۔ ہمگنان حسدی برند و کلانان انجمن و فرزانگان فن بر دو بیت من اعتراض نادرست برآوردہ، آں را شہرت می دہند۔ وبے آنکہ زبان بپاسخ آشنا شود۔ از دانشوران کہ مخدومی مولوی نواب علی اکبر خاں و کرمی و مطاعی مولوی محمد محسن ازآنانند، جوابہای یابند"

(کلیات نثر فارسی ص ، حالی: یادگار غالب ۳۶۲-۳۶۳)

غالب کے کلکتہ پہنچنے کے بعد بہ قول مولانا مہر غالب کے اعزاز میں ایک خاص مشاعرہ منعقد کیا گیا" (غالب: ص) راقم الحروف کو اس اعزاز کا کوئی واضح ثبوت نہیں ملا۔ زیادہ سے

دیوے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مشاعرہ کا یہ سلسلہ غالب کے کلکتہ پہنچنے کے بعد شروع کیا گیا تھا، گرچہ سیاق کلام اس بارہ میں بھی قطعی نہیں ہے۔ بہرحال منقولہ بالا اقتباس سے معلوم ہوتا ہے کہ :-

۱۔ مشاعرہ ہر انگریزی مہینے، پہلے اتوار کو منعقد کیا جاتا تھا۔

۲۔ نشست مدرسہ کی کمپنی میں ہوتی تھی۔

۳۔ مشاعرہ میں اردو اور فارسی غزلیں پڑھی جاتی تھیں۔

۴۔ جس مجلس میں غالب شریک ہوئے اس میں اچانک سفیر ہرات بھی پہنچ گئے تھے۔

۵۔ سفیر ہرات نے غالب کے کلام کی تعریف کی اور ان کو جی کھول کر داد دی۔

۶۔ مقامی شعراء کے کلام پر سفیر زیر لب مسکراتے رہے۔

۷۔ مقامی شعراء کو جو خفت اٹھانی پڑی اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ غالب ہدفِ اعتراض بنائے گئے۔

۸۔ اعتراض غالب کے دو شعر پر کئے گئے۔

۹۔ غالب کی حمایت میں نواب علی اکبر خاں اور مولوی محمد محسن نے جوابات دیئے (مولانا مہر نے ثانی الذکر کا نام محمد حسن لکھا ہے دیکھئے : غالب ص۱۱۶، ص۱۱۱، ص۱۱۳، ص۱۳۳۔)

(ب) چودھری عبدالغفور سرور کے نام خط میں صاحب عالم مارہروی کو لکھتے ہیں :-

"یہ مثنوی جس میں یہ مصرعہ ہے ع عاشق بشد کہ بدنی گویم، کلکتہ میں میں نے لکھا ہے۔ پانچ ہزار آدمی فراہم تھے اور جو اعتراضات مجھ پر کئے گئے تھے ان میں سے ایک اعتراض یہ ہے کہ (ہمہ عالم) غلط ہے یعنی (ہمہ) کا لفظ (عالم) کے ساتھ ربط نہیں پا سکتا قتیل کا حکم یوں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حافظ کہتا ہے — ہمہ عالم گواہ عصمت اوست۔ سعدی کہتا ہے ع عاشقم بر ہمہ عالم کہ ہمہ عالم از دوست۔

۱؎ مرزا غالب اور مولوی محمد حسن کے مزید تعلقات کے لئے دیکھئے، کلیات نثر ص۱۳۲، ص۱۴۵۔

غرض :۔ اس تحریر سے یہ ہے کہ مثنوی وہاں لکھی گئی اور ایک ایک نقل مولوی کرم حسین بلگرامی اور مولوی عبدالقادر رامپوری اور مولوی نعمت علی عظیم آبادی اور ان کے امثال ونظائر کے پاس بھیجی گئی! اگر یہ لوگ جگہ پاتے تو میری کھال ادھیڑ ڈالتے" (عودِ ہندی ص ۱۴۱، ۱۵ ا مطبوعہ مفید عام ایضاً ص ۱ علی گڑھ)

اس بیان سے معلوم ہوا کہ مشاعرہ میں پانچ ہزار کا مجمع تھا معترضین نے (ہمہ عالم) کی ترکیب پر اعتراض کیا تھا۔ کلکتہ کے سربرآوردہ اوباریں کرم حسین بلگرامی، عبدالقادر رامپوری اور نعمت علی عظیم آبادی اس پایہ کے لوگ تھے کہ مثنوی "بادِ مخالف" کے نسخے مرزا غالب نے ان کی خدمت میں بھیجے تھے۔ معترضین کی صف میں ان کے شامل ہونے کی صراحت نہیں ملتی ہے۔ لیکن اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ موقع ملنے پر ان میں سے ایک بھی چوکنے والا نہیں تھا جیسا کہ خود مرزا نے واضح کر دیا ہے۔

بہ ظاہر اسی عبارت کی بنیاد پر شیخ اکرام نے غالب کے معترضین میں ان تینوں کو شمار کیا ہے۔ اگرچہ مولانا مہر نے غالب نامہ کے حوالہ سے ان کے نام نقل فرما کر اخیر میں لکھا ہے کہ مجھے اس بیان کا ماخذ معلوم نہیں ہو سکا۔ (غالب ص ۱۲۲ حاشیہ ۱)

مولوی کرم حسین بلگرامی وہی بزرگ معلوم ہوتے ہیں جن کی فرمائش پر غالب نے برجستہ قطعہ "چکنی ڈلی" پر کہا تھا۔ ان کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ برہان قاطع تصحیح کے آخری مرحلہ اسے انہی کے ہاتھوں گزرتی تھی۔ فارسی دیباچہ میں خود لکھتے ہیں " وایں حقیر..... بحسب اشارہ فیض بشارۂ جناب مستغنی الالقاب، تنقیح الفاظ متن عبارات و لغات ورضمن تصحیح پروف اخیر از آغاز تا انجام التزام داشتم" (برہان قاطع، دیباچہ ص ۸) اس کے بعد ٹامس روبک (Thomas Roebuck) کی باری آتی تھی۔ برہان قاطع کے انگریزی دیباچہ میں روبک نے ان کی تعریف وتعارف کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ کرم حسین بلگرامی فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ عربی وفارسی میں سکنڈ منشی کے عہدہ پر کالج کے شروع

زمانہ ہی سے فائز تھے اور ٹامس روبک سے پہلے (N.B. Edmonstone) اور (William Bayley) کی ماتحتی میں مفوضہ خدمت کامیابی سے انجام دے چکے تھے۔ غالب کے ورودِ کلکتہ تک وہ یقیناً فورٹ ولیم کالج کے شعبۂ عربی و فارسی میں میر منشی کے عہدہ پر سرفراز ہو چکے تھے۔ لغت و زبان دانی میں خاص دستگاہ رکھتے تھے۔ برہان دکنی سے ان کو جیسی کچھ عقیدت ہوگی وہ ظاہر ہے۔ ایسی شکل میں غالب کا ان کی طرف سے خائف ہونا کچھ بیجا نہ تھا۔ کرم حسین سنہ ۱۸۳۱ء تک یقینی طور پر بقیدِ حیات رہے۔ صراح کے ضمیمہ لطیفہ (مطبوعہ سنہ ۱۲۴۷ء ۔ سنہ ۱۸۳۱ء) کے خاتمہ میں حکیم عبدالمجید مرتبِ ضمیمہ نے جن اصحابِ علم و فضل کے نام (اسلامی مددگاران) کے زیرِ عنوان گنائے ہیں۔ ان میں مولوی کرم حسین میر منشی کالج کا نام شامل ہے (ص ۱۸۶)

دوسرے صاحب مولوی عبدالقادر رامپوری کے بارہ میں کوئی خاص بات مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ شوق نے تذکرۂ کاملانِ رامپور میں مفتی عبدالقادر غمگین کا ذکر کیا ہے جو مرادآباد رہتے تھے۔ سنہ ۱۸۰۹ء میں کمپنی کی ملازمت میں داخل ہوئے۔ اور اجمیر، راجستھان، جبلپور، ناگپور میں بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ کمپنی نے خطاب خان بہادری اور خلعت دیا تھا۔ سنہ ۱۸۲۸ء میں ملازمت ترک کر کے دہلی گئے اور شاہ ظفر کے پاس چھ مہینے رہے۔ بہ قول شوق اسی زمانہ میں ایک موقع پر غالب کے کلام سے ظرافت کی تھی (کاملانِ رامپور: ص ۲۴۴) قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غالب کے قیامِ کلکتہ کے دوران یہ بھی کلکتہ میں مقیم رہے ہوں گے۔

نعمت علی عظیم آبادی کے بارہ میں ہماری معلومات درجۂ صفر میں ہیں۔

(ج) غالب کا تیسرا بیان مولوی مولوی عبدالرزاق شاکر کے نام ایک رقعہ میں یوں ملتا ہے: "اللہ اللہ جو کلکتہ میں شورِ نشور اٹھا تھا، میرا یہ شعر:

جزوے از عالم و از ہمہ عالم بیشم
ہمچو موئے کہ بتاں راز کمر برخیزد

[illegible] اعتراض ہوا ہے۔ منشاء اعتراض یہ ہے کہ (عالم) مفرد ہے اس کا ربط

(ہمہ) کے ساتھ بسبب اجتہاد قبیل ممنوع ہے۔ قضارا اس زمانہ میں شاہزادہ کامران مرزا فی کا سفیر گورنمنٹ میں آیا تھا، کفایت خاں اس کا نام تھا اس تک یہ قصہ پہنچا اس نے اساتذہ کے اشعار پانچ سات ایسے پڑھے جس میں (ہمہ عالم)، (ہمہ روز) و (ہمہ جا) مرقوم تھا۔ اور وہ اشعار قاطع برہان میں مندرج ہیں۔ (عودِ ہندی: ص۱۷۶، ایضاً ص۱۷۱ آگرہ)۔

اس عبارت میں جس کفایت خاں کا نام آیا ہے، غالباً اس سے سفیر ہرات ہی مراد ہے۔ جس کے نام کی صراحت کلیاتِ نثر فارسی میں نہیں کی گئی ہے۔ لیکن عود ہندی کی عبارت غماز ہے کہ کفایت خاں خود مجلسِ مشاعرہ میں حاضر نہیں ہوئے جبکہ کلیات نثر فارسی سے معلوم ہوتا ہے کہ سفیر ہرات ناگاہ مجلسِ مشاعرہ میں وارد ہو گئے تھے۔

عبارتِ منقولہ بالا میں گرچہ اسی ایک اعتراض کا اعادہ کیا گیا ہے جس کا ذکر عبدالغفور سرور کے خط میں آچکا ہے۔ تاہم اس شعر کو (خستۂ جراجتہائے اعتراض) کہہ کر غالب نے اس بات کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس شعر پر کچھ اور اعتراضات بھی کئے گئے تھے۔ جن کی تفصیل ہمیں مثنوی "بادِ مخالف" میں ملتی ہے۔

(د) مثنوی "بادِ مخالف" جو اس ہنگامہ کے بعد نواب علی اکبر خاں اور مولوی محمد محسن کے اشارہ پر لکھی گئی، اس کے مندرجۂ ذیل ابیات مجلسِ مشاعرہ کے تمام اعتراضات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

زلف گرفتار را کہ درہم کرد بزم اشعار را کہ برہم کرد
(ہمہ عالم) غلط کہ گفت نخست پارۂ زیں نمط کہ گفت نخست
(بیش) را بیشتر کہ گفت بمن بد زمن بیشتر کہ گفت بہ من
موئے را بر کمر کہ گفت غلط شعر را سر بسر کہ گفت غلط

اس مصرعہ سے ع بزم اشعار را کہ برہم کرد، صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہنگامہ بزمِ مشاعرہ ہی میں برپا ہوا تھا اور کم از کم (ہمہ عالم) کی ترکیب پر (بشرطیکہ غالب کا

بیان [illegible]) سر بزم ہی اعتراض کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا مہر صاحب کا یہ بیان محتاجِ نظرِ ثانی ہے کہ اسی مشاعرہ میں یا کسی دوسری مجلس میں اعتراض کیا گیا کہ (ہمہ عالم) کی ترکیب درست نہیں" (غالب: ص ۱۱۶)۔

کلیاتِ نثرِ فارسی کی عبارت سے معلوم ہو چکا ہے کہ ہدفِ اعتراض غالبؔ کے دو شعر تھے۔ دوسرا شعر بہ ظاہر اس غزل کا تھا جس کی ردیف تھی (زدہ) کسرہ کے ساتھ۔ مخالفین کا ایک اعتراض اسی کسرہ پر تھا جس کو مندرجۂ ذیل ابیات ظاہر کرتے ہیں:

وائے با آنکہ شعرِ من صاف است (زدہ) را می زند چہ انصاف است
(زدہ) را کسرہ از ظرافت نیست یائے وحدت بود اضافت نیست
واضعِ طرزِ ایں زمیں نہ منم در خورِ سرزنش ہمیں نہ منم
دیگراں نیز گفتہ اند چنیں گوہر راز سفتہ اند چنیں

وہ شعر جس میں (زدہ) کسرہ کے ساتھ آتا ہے حسب ذیل ہے:

"شورِ اشکے بہ فشارِ بنِ مژگاں دارم
طعنۂ بے سروسامانیِ طوفاں زدہ"

(کلیاتِ فارسی ص ۴۸۳ نول کشور ۱۹۲۵ء)

غالب نامہ کے حوالہ سے اس شعر کو نقل کرنے کے بعد مولانا مہر فرماتے ہیں: "مجھے غالب کے کلام میں یہ شعر نہیں مل سکا۔ اس زمین میں غالب کی ایک غزل موجود ہے لیکن اس میں منقولہ شعر موجود نہیں" (غالب: ص ۱۱۶ حاشیہ ۲)۔

نسخۂ کلیات سے غالباً مہر صاحب نے سرسری طور پر رجوع فرمایا ہوگا۔ ورنہ اس زمین میں غالبؔ کی دو غزلیں ملتی ہیں۔ ردیف ہائے ہوز کی پہلی غزل میں یہ شعر موجود ہے دوسری غزل ہائے ہوز کے اواخر میں ثبت ہے جو یقیناً مولانا مہر کی نظر سے گزری ہوگی، منقولہ بالا شعر اس غزل کا نہیں ہے لیکن طوفان زدہ کی ترکیب اس میں بھی ملتی ہے۔

خواستم شکوۂ بیداد تو انشا کردن　　　قلم از خوش رقم شد خس طوفاں زدۂ

(کلیاتِ فارسی، غالب: ص۲۹۹)

مذکورۂ بالا اقتباسات سے جو باتیں معلوم ہوتی ہیں اُن میں سے چند چیزیں خاص طور پر توجہ طلب ہیں، مدرسہ سرکار کمپنی، پانچہزار کا مجمع، اور ہر انگریزی مہینے پہلے اتوار کو بزمِ مشاعرہ کا منعقد ہونا۔

غالبؔ کے بعد میرے علم میں وزیر علی عبرتیؔ کا بیان اس مشاعرہ کے سلسلہ میں قدیم تر ماخذ ہے جو ہماری دست رس میں ہے۔ عبرتیؔ نے فارسی شعراء کا تذکرہ معراج الخیال ۱۸۶۴ء تک مرتب کیا اس سے پہلے ۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۳ء میں انھوں نے نثر نگاروں کا تذکرہ ریاض الافکار مرتب کیا تھا گویا دونوں تذکرے مرزا غالبؔ کے دورانِ حیات میں لکھے گئے۔ موخر الذکر تذکرہ میں عبرتیؔ نے اپنا ماخذ میر ذوالفقار علی کی بیاض کو قرار دیا ہے، اور بسلسلہ مشاعرہ مرزا غالبؔ کے ایک معترض کا نام امان علی خاں بتایا ہے۔ تذکرہ معراج الخیال میں ان کا ماخذ ایک بیاض کے علاوہ خواجہ حیدر خاں (کذا) شائقؔ[1] شاگرد غالبؔ کا بیان ہے۔ مواد کے اعتبار سے دونوں

---

(۱) شائقؔ کا نام رحمٰن علی طپشؔ نے تواریخ ڈھاکہ میں 'خواجہ حیدر جہاں لکھا ہے۔ خواجہ خلیل کے لڑکے تھے اور نواب سر عبدالغنی کے قرابت مندوں میں تھے۔ بہ قول طپشؔ، مرزا اسد اللہ خاں غالبؔ سے بذریعہ خط و کتابت کے اپنے کلام کی اصلاح لیا کرتے تھے۔ شائقؔ کا ایک مختصر دیوان خواجہ محمد افضل کے کتب خانہ میں طپشؔ کو ملا تھا۔ دو شعر نمونے کے یہاں بھی درج ہیں:-

جس کی ٹھوکر سے جی اٹھے مردے　　　اس کی رفتار نے ہمیں مارا

خونِ دل پیتے ہیں، غم کھاتے ہیں　　　دل لگانے کا مزا پاتے ہیں

دیکھیے تواریخ ڈھاکہ (ص۳۳۵-۳۳۶، مطبوعہ آرہ ۱۹۱۰ء) وفا راشدی: بنگال میں اردو (ص۔)، عبرتیؔ کے الفاظ سے مترشح ہے کہ شائقؔ کی ملاقات غالبؔ سے کبھی ضرور ہوئی۔ بہ ظاہر اس کا موقع (دیکھیے صفحہ پر)

تذکرے ایک جیسے ہیں اور یہ کہ معراج الخیال میں مرزا امان علی خاں کا نام برموقع نہیں آیا۔ عبرتی بہرحال معترضین سے ناخوش نظر آتے ہیں لیکن وہ مرزا غالب کو قتیل پر ترجیح دینا روا نہیں رکھتے متعلقہ عبارت ملاحظہ فرمائیں :-

"سخن فہمانِ کلکتہ پئے ہمہ دانی آں سیف لسانی نبردہ، حریفانہ آویزشے باد کردند۔ چوں آں مغتنم روزگار خیلے سخن رس و ماہر ایں فن بود، کسے را از آں جماعت بر خود دستے نداد۔ بلکہ ہمہ را مہر سکوت برلب بیان نہاد چنانچہ مختصر مثنوی کہ در مناظرۂ اہلِ کلکتہ بنظم در آوردہ، شاہد ایں مقال است۔ مگر بعضے سخن شناساں کہ بر مرزا قتیل آں عالی افکار را ترجیح می دہند، خالی از تکلف نمی نماید"

(معراج الخیال ورق ۱۵ ر ب - زیر شمارہ ۴۶۵ کرزن)

عبرتی کے دونوں تذکروں کا خلاصہ یہ ہے :-

(۱) غالب کا مولد دار السلطنت دہلی ہے (یہ بیان صحیح نہیں۔ غالب متفقہ طور پر اکبرآباد میں پیدا ہوئے)۔

(۲) معترضین بدمذاق اور حاسد تھے (راقم کے خیال میں تفاوت سن و سال اور مرزا کے بلند آہنگ دعووں کو بھی ہنگامہ برپا کرنے میں بنیادی اسباب کی حیثیت رہی ہے)۔

غالب کے قیامِ کلکتہ کے دوران آیا ہوگا۔ شائق سے عبرتی کی ملاقات جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں ہوئی تھی عبرتی نے بہ سلسلۂ غالب، شائق کا حوالہ اس طرح دیا ہے :" از زبان خواجہ حیدر خاں (؟) متخلص بشائق کہ از شاگردانِ آں عالی گفتار باشد شنودیم کہ خیلے وارستہ مزاج و آزادانہ طبیعت زیست۔ فرمودے بہر بزمے کہ تشریف دادے پردۂ گوش اہل بزم از رنگین مقالی خویش رشکِ فصل بہاراں ساختے (معراج الخیال ورق ۱۵ ر ب) شائق کو شیخ محمد وجیہ الدین عشقی سے بھی تلمذ تھا جو اصلاً عظیم آبادی تھے۔ ڈھاکہ میں وفات پائی (معراج الخیال - ورق ۹۴ ب)۔

(۳) اعتراض کرنیوالوں میں مرزا امان علی خاں پیش پیش تھے (ریاض الافکار۔ برگ ۱۴۰ الف
رقم ۹۲ فارسی بوبار)۔

(۴) امان علی خاں کو غالب سے کوئی نسبت نہیں تھی (ریاض الافکار)۔

(۵) قتیل پر غالب کو ترجیح دینا خالی از تکلف نہیں (معراج الخیال)۔

میرے علم میں عبرتی کی ریاض الافکار سے سب سے پہلے جناب حمید احمد خاں نے استفادہ کیا
ان کا مضمون (غالب کا کلکتہ) ماہ نو شمارہ فروری ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ راقم کو اسی مضمون
سے عبرتی اور ان کی ریاض الافکار کا علم ہوا اور اسی زمانہ میں نسخۂ بوہار کے مطالعہ کرنے کا
اتفاق ہوا تھا۔

خاں صاحب، امان علی خاں کے متعلق رقم طراز ہیں کہ معترضین میں سب سے زیادہ بلند
آہنگ ایک صاحب بنام نواب مرزا امان علی خاں تھے۔ یہ بھی غالب تخلص کرتے تھے۔ عظیم آباد
کے رہنے والے تھے اور کچھ عرصہ پہلے کلکتہ میں آر ہے تھے (ماہ نو: ص ۲۷، شمارہ فروری ۱۹۵۰ء)

معلوم نہیں ریاض الافکار کی عاجلانہ مراجعت نے خان صاحب کو اس غلط فہمی کا شکار
بنایا، یا کسی دوسرے ماخذ کی بنا پر انھوں نے امان علی خاں کو غالب کا ہم تخلص لکھدیا ہے۔
بہرحال اس کی نشاندہی نہ ان کے مقالہ میں ملتی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے اس کی توثیق ہوتی ہے۔
عظیم آباد کے مرزا امان علی خاں ذبیح تخلص کرتے تھے۔ مرزا ابراہیم خان اصفہانی کے لڑکے
تھے۔ یعنی غالب اگر سلجوقی ترک ہو کر تیغ اصفہانی کے گھائل ہو سکتے تھے تو یہ بھی اصلاً اصفہانی
تھے۔ اس پر مستزاد یہ کہ غالب کی طرح ان کا مولد اکبر آباد ہی تھا۔ البتہ نشو ونما عظیم آباد
میں ہوئی تھی۔ غزل ریختہ میں قادر الکلام ہونے کے علاوہ فارسی میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے
عبرتی نے ان کو خاص دوستوں میں لکھا ہے، اور بڑے اچھے الفاظ میں ان کا ذکر دونوں
تذکروں میں کیا ہے۔ ریاض الافکار کی تالیف کے زمانہ میں یقیناً عظیم آباد ہی میں مقیم تھے۔
(بالفعل بخوشدلی تمام بہزار قناعت بعظیم آبادمی گذارد۔ ریاض الافکار) عبرتی نے

ان کی آزردہ منشی وخانہ بدوشی کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا ہے لہٰذا عین ممکن ہے کلکتہ میں بھی کچھ زمانہ بسر کیا ہو۔ تاہم حیرت ہوتی ہے کہ عرشی نے مرزا ذبیح کے تذکرہ میں غالب سے ان کی آویزش کی جانب اشارہ کرنا تو ایک طرف کبھی کلکتہ پہنچنے کا ذکر تک نہیں کیا۔ علاوہ بریں غالب کے ذکر میں ایسا فقرہ لکھنا گوارہ کیا (خصوصاً مرزا امان علی خان کہ اصلاً باآن متعدد روزگار جادو بیان نسبتے ندارد ۔۔ ریاض الافکار)۔ بہرحال یہ احتمال اپنی جگہ صحیح معلوم ہوتا ہے کہ عظیم آباد کے یہی امان علی خاں اعتراض کرنیوالوں میں سب سے زیادہ بلند آہنگ رہے ہوں گے۔ لیکن ان کا تخلص ذبیح تھا نہ کہ غالب۔ ان کے نام کے ساتھ نواب کا لقب بھی مجھ کو کہیں نظر نہیں آیا۔ نوروز علی خاں یکتا کے والد امان علی خاں کی شخصیت بھی ذبیح عظیم آبادی سے شاید الگ نہیں تھی (دیکھئے: ریاض الافکار، ذکر یکتا، معراج الخیال ۸۲/ظ)۔

یادگار غالب میں مولانا حالی نے غالب کے قیام کلکتہ کی سرگذشت میں اس ہنگامہ کی جو تفصیل پیش کی ہے وہ مدرسہ عالیہ کے ذکر سے خالی ہے۔ (یادگار غالب: ص۱۸-۲۰ علی گڑھ) محمد حسین آزاد کو بھی اس سے سروکار نہیں کہ مشاعرہ کس ادارہ میں منعقد ہوا تھا۔

آزاد اور حالی کے بعد معلوم نہیں کس طرح غالب کے تذکرہ نگاروں نے اس مشاعرہ کی جگہ مدرسہ عالیہ کو قرار دینا شروع کیا۔ شیخ اکرام نے حیات غالب میں بظاہر کلیات نثر فارسی کی مذکورۂ بالا عبارت کی بنیاد پر لکھا ہے ۔۔ "کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو مدرسہ جاری کیا تھا اس سے متعلق انہی دنوں وہاں ایک بزم سخن قائم ہوئی تھی۔ جہاں ہر مہینے پہلے اتوار کو مشاعرہ ہوتا اور اردو فارسی غزلیں پڑھی جاتیں۔ مرزا نے بھی اس میں غزلیں پڑھیں" (حیات غالب: ص۵۶ دہلی) برموقع حاشیہ پر مدرسہ کے قیام کی مختصر تاریخ بتا کر شیخ صاحب نے متعین کر دیا ہے کہ ان کے نزدیک "مدرسہ سرکار کمپنی" سے مدرسہ عالیہ مراد ہے جس کو گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز نے قائم کیا (حیات غالب: ص۵۸ حاشیہ ۱)۔

مہر صاحب نے مدرسۂ سرکار کمپنی، کو مدرسۂ کلکتہ لکھا ہے۔ اس سے ان کی مراد مدرسۂ عالیہ واقع ویلزلی اسکوائر سے ہوگی اور اس میں شک نہیں کہ آج تک مدرسۂ عالیہ کیلئے کاغذات میں کلکتہ مدرسہ لکھنے کا دستور ہے۔ اور جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا خود مرزا غالب اس مدرسہ کو (مدرسۂ کلکتہ) کے نام سے جانتے تھے۔

حمید احمد خاں نے اپنے مضمون (غالب کا کلکتہ) میں مدرسۂ کلکتہ سے ہمارے اسی مدرسہ کو مراد لیا ہے اور اسی ذیل میں لکھا ہے :-

"۱۹۳۸ء میں جب میں کلکتہ میں تھا مولانا ابوالکلام آزاد نے ایک مجلس میں مجھ سے کہا کہ مدرسہ اپنی موجودہ عمارت میں ۱۸۶۰ء یا ۱۸۷۰ء کے قریب منتقل ہوا۔ غالب کو مثنوی بادِ مخالف والا ہنگامہ مدرسہ کی پہلی عمارت میں پیش آیا جو سیالدہ میں بیٹھک خانہ روڈ پر تھی۔" (ماہِ نو: ص۲۷ فروری ۱۹۵۰ء)۔

خان صاحب نے اس کے بعد پرنسپل مولانا محمد موسیٰ (مرحوم) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ جو مشاعرے ۲۹-۱۸۲۸ء میں ہوئے ان کا ذکر مدرسہ کے پرانے کاغذات میں نہیں ملتا ہے۔ اس باقاعدہ اطلاع کے باوجود خان صاحب کو مولانا آزاد کے بیان میں کسی شبہ کی گنجائش نظر نہیں آئی اور انھوں نے مولانا کے بیان کو صرف اس ترمیم کے ساتھ کہ مشاعرہ پہلی عمارت میں نہیں ہوا، تسلیم کر لیا ہے۔

ذکرِ غالب میں جناب مالک رام یوں رقمطراز ہیں :-

"ان دنوں کلکتہ میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے مدرسۂ عالیہ کے زیر اہتمام ہر انگریزی مہینے کے پہلے اتوار کو ایک بزمِ سخن منعقد ہوتی تھی۔" (ذکرِ غالب: ص۶۱ جامعہ ۱۹۵۵ء)

بر موقع حاشیہ پر یہ عبارت بھی ملتی ہے۔ "یہ مشاعرہ مدرسہ عالیہ کی موجودہ ویلزلی اسٹریٹ والی عمارت میں ہوا تھا اس سے پہلے مدرسہ بیٹھک خانہ میں تھا۔ ویلزلی اسٹریٹ والی عمارت کا سنگِ بنیاد ۱۵ر جولائی ۱۸۲۴ء کو رکھا گیا پوری عمارت تین سال کی

مدت میں تیار ہوئی۔ اور غالب کے کلکتہ پہنچنے سے صرف چند ماہ پہلے اگست ۱۸۲۷ء میں جماعتیں اس نئی جگہ میں منتقل ہوئی تھیں۔ مشاعرہ میں نشست کا انتظام یوں تھا کہ شعرائے کرام اندر کے مغربی برآمدے میں تشریف فرماتے تھے۔ حاضرین کی بڑی تعداد باہر کھلے صحن میں فرش پر بیٹھی تھی۔ (ذکر غالب: ص ۶۳ حاشیہ ۱)۔

مالک رام صاحب نے اصل میں گویا غالب کے 'مدرسہ سرکار کمپنی' کا ترجمہ کر دیا ہے۔ پھر حاشیہ میں اس کی توضیح کرتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں لکھا ہے کہ مشاعرہ مدرسہ عالیہ ویلزلی اسٹریٹ میں منعقد ہوا تھا۔ انھوں نے اسی پر بس نہیں کیا بلکہ شعراء کی نشست تک کی تصویر کشی اس انداز سے کی ہے جیسے خود چشم دید گواہ ہوں۔ مگر حیرت ہے کہ مالک رام صاحب نے کسی ماخذ کی نشاندہی نہیں کی۔ مجھے کافی تلاش کے باوجود اس کا کوئی سراغ نہیں مل سکا۔ مولانا آزاد (مرحوم) کا بیان جناب حمید احمد خاں کے حوالہ سے گذر چکا ہے کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ مولانا مرحوم ہی کا بیان مالک رام صاحب کے معلومات کا سرچشمہ ہو۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ جو بعض اوقات محمڈن کالج اور سرکاری کاغذات میں عام طور پر "کلکتہ مدرسہ" کہلاتا ہے اس کی روایات میں کسی مشاعرہ کا ذکر سنا نہیں گیا اور کم از کم حالی کی "یادگارِ غالب" تک یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس مشاعرہ کے سلسلہ میں کلکتہ کے مدرسہ عالیہ کا تصور بھی نہیں کیا گیا تھا۔

ہمارے استاذ مولانا عبدالستار صاحب جن سے بڑھ کر مدرسہ عالیہ کے پرانے کاغذات اور قدیم وثائق کا مطالعہ کسی اور نے شاید ہی کیا ہوگا۔ وہ بھی اپنی کتاب تاریخ مدرسہ عالیہ میں کسی مشاعرہ کا ذکر نہیں کرتے۔ صرف آغا احمد علی کے تذکرہ میں ان کے یہ الفاظ ملتے ہیں: "۱۸۶۲ء میں مسٹر کوویل کی سفارش سے کرنل ناسولیز پرنسپل مدرسہ عالیہ نے مدرسے کے فارسی مدرس کی جگہ پر آپ کو (آغا احمد علی) مقرر کر دیا۔ یہی زمانہ ہے کہ مرزا غالب کلکتہ آئے ہوئے تھے اور مسلم انسٹی ٹیوٹ میں ایک مجلس تھی۔ اس مجلس میں آغا صاحب

بھی موجود تھے۔ ان دونوں میں کسی علمی مسئلہ پر اختلاف پیدا ہوگیا تھا۔ جب مرزا غالب نے اپنی کتاب قاطع برہان شائع کی جس میں برہان قاطع اور اس کے مصنف پر سخت اعتراضات کئے گئے تھے، تو آغا صاحب، مرزا غالب کے مقابلہ اور برہان قاطع کی تائید میں اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور مرزا غالب کے خلاف ۱۸۶۵ء میں موید برہان لکھا "(تاریخ مدرسہ عالیہ ص ۱۸۴، ۱۸۵۔ حصہ دوم۔ ڈھاکہ ۱۹۵۹ء)۔

مذکورۂ بالا بیان کا سرسری جائزہ لینا ضروری ہے:-

۱۔ غالب کے سلسلہ میں مسلم انسٹی ٹیوٹ کا ذکر کسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کا قیام ۱۹۰۲ء میں عمل میں آیا۔ اس سے پہلے ناتلہ میں دو انجمنیں قائم ہو چکی تھیں، انجمن مذاکرہ علمیہ یا (Mohammadan Library society) جو اپریل ۱۸۶۳ء میں نواب عبداللطیف مرحوم کی سعی سے قائم ہوئی اور (Society for the Mutual Improvement of young men) ان دونوں کی جگہ بعد میں مسلم انسٹی ٹیوٹ سے پُر ہوئی۔

۲۔ غالب سے آغا احمد خاں کی بالمشافہہ ملاقات، محتاج ثبوت ہے۔ اس قدر یقینی ہے کہ جس زمانہ میں غالب کلکتہ میں مقیم تھے آغا احمد علی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے، آغا کی پیدائش جہانگیر نگر (ڈھاکہ) میں ۱۲۵۵ء مطابق ۱۸۴۰ء ہوئی یعنی کلکتہ سے غالب کی واپسی کے دس گیارہ سال بعد۔

کچھ اسی قسم کا وہم بعض لوگوں کو سید محمود آزاد کے سلسلہ میں بھی ہوا ہے۔ ڈاکٹر شادانی تحریر کرتے ہیں: "جس زمانہ میں مرزا غالب اپنے مقدمہ کے سلسلہ میں کلکتہ آئے ہوئے تھے، آزاد بھی ان سے ملنے کلکتہ گئے تھے"۔ (دوفا راشدی: بنگال میں اردو ص ۹۴)۔ محمود آزاد کا سن ولادت ۱۸۴۳ء ہے اور مرزا کا سفر کلکتہ لگ بھگ پندرہ سال پہلے کا واقعہ ہے۔

۳۔ آغا احمد علی اور غالب کی قلمی معرکہ آرائی ایک تاریخی حقیقت ہے۔ لیکن یہ معرکہ جس وقت شروع ہوا اس وقت تک غالب کے سفر کلکتہ پر ۳۴ سال بیت چکے تھے۔ غالب